

محسن انسانیت

(مخالفت کے طوفانوں سے گذرتے ہوئے)

اور آجلا پھلتا ہی گیا

(نعیم صدیقی)

(سلسلہ گذشتہ)

تفقید | تحریک اسلامی کی دعوت و میل کے ساتھ محض اپیل ہی نہیں لائی بلکہ اس نے اپیل کے ساتھ بھرپور تنقید سے بھی کام لیا۔ صوفیانہ مذاہب میں تو شاید دعوت کا ایک ہی اسلوب چل سکتا ہے یعنی سنت و لجاجت اور خوشامد و التماس کا اسلوب۔ آخر جہاں محض افراد کی ذات اور ان کی محدود نجی زندگی تک ہی سے واسطہ ہو اور نظام اجتماعی کی اصلاح یا تعمیر نہ کا کوئی سوال ہی سامنے نہ ہو وہاں اس اسلوب سے آگے بڑھنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ صوفیانہ مسلکوں اور انفرادی دھرموں میں صرف یہ پیش نظر ہوتا ہے کہ زیر اثر افراد کو کچھ عقیدوں اور کچھ انفرادی خوبیوں سے آراستہ کر دیا جائے اور پھر ان کو بُرائی کی طاقت سے اپنا آپ بچاتے رہنے کا درس دیا جائے۔ لیکن بدی کی اجتماعی طاقت سے لڑنے اور فاسد ماحول سے نکلنے کا کوئی ذاعیہ موجود نہیں ہوتا۔ ظلم قیادت کی مسند پر بیٹھا اپنا ڈنکا بجاتا ہے اور انسانیت اس کے قدموں میں قربح کی جاتی ہے، آخر ان دنیوی جھیلیوں سے ایک اللہ مست زاہد کو کیا مطلب! چنانچہ ایسے محدود روحانی نظاموں میں آدمی کی سب سے بڑی خوبی یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ دنیا کے معاملات اور سیاست کے جھیلوں سے الگ تھلگ رہے، ہر کسی کے آگے یکساں انکسار اور لجاجت دکھائے، یہاں مسلمان اللہ اللہ بابرہمن رام رام۔

کامیابی اختیار کرے، تواضع ہر ایک کے سامنے کرے اور دُشمنی کسی سے بھی نہ برتے ایسے نظاموں میں جنہیں آدمی کو میدانِ کشمکش میں نہ اتارنا ہو بلکہ اسے تمدن کی جدوجہد سے نکال کر فاروں اور خالقوں میں جا بٹھانا ہو، تنقید سے کام لینے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ تنقید تو دُشمنی دنیا میں کشمکش کا آغاز ہوتی ہے۔ چنانچہ محدود روحانیت اور انفرادی مذہبیت کی نگاہوں میں یہ آدمی کی پستی کو دار شمار ہوتی ہے کہ وہ کسی طاقت کے خلاف زبانِ تنقید کھولے جیسے یہ دامنِ تقویٰ پر دھتے ڈالنے والا کوئی کام ہو اور اس کے کرنے سے روح کی شناسی ماری جاتی ہو۔

لیکن جو نظریے اور دعوتیں تمدن میں انقلاب برپا کرنے اٹھیں ان کے اسلوحہ خانہ فکر میں دلیل اور اپیل کی طرح تنقید بھی درجہ اول کی اہمیت رکھتی ہے۔ یہاں صرف احقاقِ حق پر اکتفا نہیں کیا جاسکتا بلکہ باطل باطل بھی واجب ہوتا ہے۔ کیونکہ باطل باطل کے بغیر احقاقِ حق بھی پوری طرح نہیں ہوتا۔ یہاں خدا پر ایمان لانا اور طاغوت سے کفر کرنا لازم و ملزوم ٹھہرتا ہے۔ یہاں امر بالمعروف تنہا نہیں کیا جاسکتا بلکہ نہی عن المنکر بالکل متوازی طور پر کرنا پڑتا ہے۔ یہاں "الا اللہ" کہنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے "لا الہ" پکارا جائے۔

اسلامی تحریک جب بھی رونما ہوتی ہے تو وہ عوام کے سوچنے کا رخ بدلنے کے لیے وقت کے تمدن، اجتماعی ماحول، سیاسی و معاشی نظام اور پھر خاص طور پر دروجہ افکار و معتقدات اور پیمانہ ہائے قدر پر کڑی تنقید کرتی ہے۔ مذہبی، سیاسی اور معاشی لحاظ سے ان پیش رو طبقوں کے افکار و اعمال کی حقیقت وہ لازماً کھول دیتی ہے جو عوام کو اپنی غلامی کے جال میں پھانس کے فرسے اڑاتے ہیں اس کے لیے چارہ کار ہی اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ زندگی کی قیادت کرنے والوں کا پول وہ عام انسانوں کے سامنے اچھی طرح کھول دے جب تک فاسد کو فاسد، باطل کو باطل اور غلط کو غلط ثابت نہ کر دیا جائے اس کے مقابلے میں نہ سچائی اور راستی کے لیے کوئی پیاس پیدا ہو سکتی ہے اور نہ تبدیلی کی ہنگ آجھ سکتی ہے۔ ہر وہ دعوت جو نظامِ زندگی میں تبدیلی چاہتی ہو، تنقید کے نشتر سے بے نیاز نہیں ہو سکتی کسی بھی نئی کی دعوت اور روادِ کار کو سمجھیے، آپ دیکھیں گے کہ نہ صرف معاشرے کے فاسد

قصورت و احوال کو نشانہ تنقید بنایا گیا ہے بلکہ ہر نبی نے وقت کے جبارہ کو ٹھیک ان کے درباروں میں جا کر غلط رو اور غلط کار کہا ہے۔ یہاں تو نظام تمدن کی ساخت کو ساڑھ کر یہ حقیقت سمجھائی گئی ہے کہ برستی، قوم اور ملک میں کچھ "اکابر مجرمین" پائے جاتے ہیں جو مکارانہ سیاست سے اپنا اٹو سیدھا کرتے ہیں (الانعام-۱۲۲)۔ ان کو ان کے مناصب پر قائم رکھ کر کوئی اصلاح نہیں کی جاسکتی۔

اسلام جب عربوں کے درمیان جاہلیت کے نظام کو مٹانے اور تاریخ میں نئے نئے ندریں باب کا افتتاح کرنے اٹھا تو اس نے جھوٹ اور ظلم اور فساد کی ہر شکل پر بغیر کسی رحم کے تنقید کی اور وقت کے جتنے بھی عناصر جاہلی نظام اور طاغوتی ماحول کے دہبر اور پاسبان اور کارپردازین کو معاشرے پر مستط تھے اور جو اپنے مرتبے اور مفاد کے تحفظ کے لیے فلاح انسانی کے پیغام کا مقابلہ کرنے اٹھ کھڑے ہوئے تھے ان سب کا پول ایسی چیرہ دستی سے کھولا کہ ان کے ناپاک کرداروں کے بدن پر اعزازات کی معنوی پوشاکوں کا ایک تاریخی لگانہ دہنے دیا۔ جوں جوں انسانیت دشمن طاقتوں کی حقیقت معاشرے پر کھلتی گئی رائے عام میں ایک بیداری شعور بھیلتی چلی گئی اور اسی کے ساتھ ساتھ تبدیلی کی پیاس تیز ہوتی گئی۔ اسلامی تحریک کے تنقیدی محاذ نے عوام اناس میں سوچنے، سمجھنے، جانچنے، پرکھنے اور موازنہ و تقابلی کرنے کی صلاحیتوں کو نشوونما دی۔ دعوت کا یہ وہ پہلو تھا جو حق و باطل، خیر و شر اور درست و نادرست میں فارق بنا۔ اسی سے قد تبیین المرشد من الیٰ علی کا سماں پیدا ہوا، اسی کے ذریعے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نٹھ گیا، اس کے ذریعے اندھیرے اور اجالے کا فرق کرنے والی بصارت کام کرنے لگی، اسی کے لیے زہر اور شکر کے آمیزے کا تجزیہ ہو گیا۔ فاسد طاقتوں کے مظالم کو تو اسلامی تحریک کے جہاں باز اپنی جانوں پر آف کیے بغیر سہتے رہے، لیکن ان طاقتوں کے گھٹیا کرداروں سے خوشنما پردے اٹھانے میں انہوں نے کوئی کوتاہی نہیں کی۔ ان کے کام کے خطوط سیاست و قوت کے دائروں سے باہر ہی باہر سے نہیں گزرتے تھے کہ وہ جاہلی نظام کی مذہبی و سماجی قیادتوں کو یہ اطمینان دلا کر اپنا فرض انجام دے سکتے کہ تم نچنت ہو کہ اپنے منصبوں اور مرتبوں پر بیٹھے رہو، ہم اللہ والے تمہارے کسی مفاد سے تعرض کرنے والے

نہیں ہیں، ہمیں تو بس خدا کا نام لینا ہے اور اس کا کلمہ لوگوں کو سکھانا ہے۔ ان کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ ان قیادتوں کے سامنے شانِ انکسار سے کچھ خوشامدانہ باتیں کہ کر، ان کو دم دلا سہ دلا کر اور ان کی گرفت سے بچ بچا کر اس انقلابی کلمہ حق کو پکار کر سکتے جس کا واضح منہا نظام قسط کی اقامت تھا۔

اسلامی تحریک نے عین اپنے داعی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک کو اس تلخ فریضہ کی انجام دہی کے لیے استعمال کیا اور سماج کے پھوڑوں کو چیرا دینے کے لیے ٹھیک الہامی الفاظ سے فستروں کا کام لیا۔ یہ تنقید مجرد اصول و تصورات ہی تک محدود نہ تھی بلکہ مزاحم ہونے والے بااثر طبقات اور حریف افراد سب ہی اس کی زد پر آئے اور بار بار آئے۔ یہ تنقید روز مرہ کے واقعاتی پس منظر کے ساتھ کی جاتی تھی اور جو کچھ اقدامات اور کارروائیاں مخالف کیمپ کی طرف سے ہوتی تھیں ان سب کا تجزیہ ساتھ کے ساتھ کر دیا جاتا تھا۔ اس طرح سے عوامی شعور کو تیار کیا گیا۔ یہ کام اگر نہ کیا جاتا تو کچھ پاکباز افراد اور نیکی کے کچھ مجیر العقول مجھے ممکن تھا کہ تیار ہو جاتے اور وقت کی دنیا بھی ان کو خرچ عقیدت پیش کرتی اور بعد کے لوگ بھی عجائب خانہ تاریخ میں ان کی یادگاری تصاویر دیکھتے تو عرش عرش کرتے لیکن ماحول کا سارا دریا جوں کا توں یخ بستہ رہتا اور جاہلیت کی اندھیاریاں اس کو بدستور محیط رہتیں۔ نہ اندھیرے کا جگر چیرا جاسکتا اور نہ اس دریا کی زیر آب خوابیدہ موجوں کو جگایا جاسکتا۔ ممکن ہی نہ تھا کہ عوام میں انقلابی شعور پیدا ہوتا اور کارکنان اسلام کے اندر کشمکش کے رجحانات ابھرتے۔ پھر تو بات غارِ حرا پر ہی ختم ہو جاتی، کجا کہ کلمہ حق عرب کا فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوتا۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی الہامی زبان میں تنقیدیں کر کے وقت کے اکابر کو نہ صرف عقل و دلیل کے لحاظ سے ویرانیہ ثابت کر دیا، بلکہ اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی زمانے پر یہ راز کھول دیا کہ مرعوب کن اور نظر فریب پر وہ ہائے عظمت و سیادت میں نہایت مکر وہ غلامتوں کے ڈھیر پڑے ہیں۔ اسی تنقید نے عوام میں یہ احساس پیدا کیا کہ جیت تک تحریک اسلامی سے تعاون کر کے ان طاقتوں کو زندگی کی قیادت سے برطرف نہ کر دیا جائے، زندگی سنورنے کا کوئی امکان نہیں ہے۔

قریش کو لیا تو ان کی نسبت پرستی، ان کے اولیاء، ان کے مضحکہ انگیز مذہبی رسوم، ان کی اخلاقی پستی اور ان کے زعم سیادت سارے ہی پہلوؤں سے کھولنے کی ہر بات، کھول دی۔ ان کے محبوب معبودوں کی بے بسی کو واضح کرنے کے لیے مثال دے کے بتایا کہ یہ سب کے سب مل کر بھی ایک کھلی تک خلق کو نہ سے عاجز ہیں، بلکہ اگر کھلی ان سے کوئی چیز اڑا لے جائے تو یہ اس سے واپس لینے کی مجال بھی نہیں رکھتے۔ حضرت ابراہیم کے نام لیا ہونے پر ان کو جو مخزن تھا اس کو یوں توڑا کہ حضرت ابراہیم کے پورے کارنامہ حیات کو بار بار ان کے سامنے پیش کر کے دکھایا کہ جس مشن کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی کھپا دی تھی، گھر بار چھوڑا، پیری کی گدی پر لات ماری، نمرود کے سامنے بغاوت کے مقدمہ میں ملزم بنائے گئے اور زندہ جلائے جانے کی سزا تجویز ہوئی، پھر وہ اپنے رب کے لیے مہاجر اور خانہ بدوش بنے، پھر انہوں نے ایک اجارہ داری میں اگر اپنی دعوت اور خدا کی عبادت کا یہ مرکز قائم کیا جسے اب تم نے اپنی کمائی اور مذہبی پیشوائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اب تم کو کیا حق پہنچتا ہے کہ اس موقعِ حنیف کے تم نام لیا اور جانشین بن کے بیٹھو، در آغا لیکہ تمہارا بال بال شرک اور جاہلیت کے بندھنوں میں بندھا ہوا ہے۔ پھر دکھایا کہ کیسے تم لوگوں نے حلال و حرام کی ایک انوکھی شریعت گھڑ رکھی ہے۔ دکھایا کہ تم نے استھانوں پر چڑھا دوں کے لیے کیسے کیسے ضابطے رکھے ہیں، دکھایا کہ پانسے پھینکنے اور قمار بازی کرنے کو بھی تم نے رنگ تقدس دے رکھا ہے۔ دکھایا کہ کس طرح تم بیٹیوں کی پیدائش پر منہ چھپاتے پھرتے ہو اور سنگدل بن کر ان کو مٹی کے انباروں میں زندہ دفن کر دیتے ہو، اور پھر تمہیں خدا کے ساتھ بیٹیوں کو منسوب کرتے سمجھنے شرم نہیں آتی۔ اسی طرح جب کشمکش چھڑی تو ان کی لائینی باتوں اور حنیف الحمرکتیوں میں سے ایک ایک کو ان کے سامنے رکھ کر دکھایا کہ خدا اپنے کردار کی شکلیں دیکھو۔ ان کے جرائم ان کے سامنے گنوا کے کہا کہ تم مسجدِ حرام کی توہینت پر نازاں ہو حالانکہ اپنے کفر و شرک کی بنا پر تم اس منصب کے مستحق ہی نہیں ہو تم نے لوگوں کو خدا کی راہ سے روکا، تم نے کعبہ کے دروازے سے بندگانِ حق پر بند کیے، تم نے اپنے بھائی نیدوں کو جلا وطن کیا اور تم نے دین کی ماہ میں فتنہ انگیزی کو اپنا شعار بنایا۔

پھر اہل کتاب کو لیا تو ان کا سد یوں کا نام اعمال کھول کے ان کے سامنے رکھ دیا کہ کس طرح تم

پیروانِ موسیٰ نے خود موسیٰ علیہ السلام کو قدم قدم پر اذیت دی تھی، بار بار تا فرمائیاں کیں، بار بار بگاڑ کے راستوں پر پڑتے رہے۔ تم نے جھگڑے کئے، فساد اٹھائے، پھڑے کی پوجا کی، جہاد سے جی چڑایا، پھر آپس میں خون خرابے کیے، اپنے بھائی بندوں کو بے خانماں کرتے رہے، ان کے خلاف ظلم و عدوان کے ساتھ دھما بولتے رہے۔ تم نے انبیاء کو جانتے بوجھتے جھٹلایا، قتل کیا اور ان کی پاک میزनों پر دھبے ڈالتے رہے۔ تم نے کتابِ الہی میں تحریف کی، حق بات کو ہمیشہ چھپایا، اور احبار و رہبان کو اپنا معبود بنا لیا۔ حد یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں سے طرح طرح کی باتیں لکھ کر ان کو خدا سے منسوب کرتے ہو اور خلقِ خدا کو فریب دے دے کہ حرام کمائیاں سمیٹتے ہو، نہ خود راہِ حق پر چلتے ہو نہ دوسروں کو چلنے دیتے ہو اور کوئی دوسرا اگر انسانی صلاح کا کام کرنے اٹھتا ہے تو اس کے ساتھ تعاون کے بجائے اس کے راستے میں کانٹے بچھاتے ہو۔ کل تک تم خود خدائی نوشتوں کی بنا پر زمانے بھر کو مشرکہ سناتے رہے ہو کہ نبی آخر الزماں آنے والا ہے اور جب وہ واقعی آپہنچا تو تم اس کے خلاف صف آرا ہو گئے۔ مسلم جماعت جو بہت سے وجوہ سے تم سے اقرب ہے اور تمہارے سارے انبیاء اور پہلے کی ساری کڑیوں کو مانتی ہے اس کے مقابلے میں تمہارا قارورہ اگر ملتا ہے تو اربابِ شرک سے جا کر ملتا ہے۔ ان کڑیوں کو کرتے ہوئے خدا کی کتاب برابر تمہاری ملیٹیوں پر لدی رہی، بالکل ایسے کہ جیسے کسی گدھے پر علم کے دفتر لے رہوں اور وہ ان سے بے خیر چلا جا رہا ہو۔ تم اگر سچے ہوتے تو اپنی زندگیوں پر تورات کو قائم کر کے دکھاتے۔ جب تک تم نے کتابِ الہی کو پس پشت ڈال رکھا ہے، تمہارے خوشنما دعویوں کی کچھ بھی وقعت نہیں ہے۔ آج تمہاری تعداد کثیر اس حالت کو اپنی ہے کہ ایک وٹری بھی اگر ان کے پاس امانت رکھوائی جائے تو ان کی خیانت سے بچ کر وہ مشکل ہی سے واپس مل سکتی ہے۔ اپنے اس رویے کی وجہ سے تم نے خدا کا غضب سہیڑا اور تم پر ذلت و مسکنت چھیک دی گئی۔

پھر منافقین کو پکڑا تو ان کا پورا پورا نفسیاتی تجزیہ کر کے انہیں دکھایا کہ تم کس ٹیڑھے زاویے سے ہر معاملے کو سوچتے ہو۔ تمہاری میں بیٹھتے ہو تو ترکیب کے حالات و واقعات پر کس انداز سے لٹے بٹھے کرتے ہو، مجالس میں آتے ہو تو تمہارا ڈھنگ کیا ہوتا ہے اور کس کس طرح باہم دگر اٹھائے کرتے ہو،

کبھی لکڑی کے کندوں کی طرح ساکت ہو جاتے ہو اور تمہاری آنکھیں میچرائی ہوئی دکھائی دیتی ہیں، کبھی چپکے سے ٹسک جاتے ہو، مسلم جماعت میں ہوتے ہو تو اور طرح سے زبان چلاتے ہو اور پھر دشمنوں میں جا بیٹھتے ہو تو دوسرا ہی راگ لاتے ہو۔ ہر معاملے میں تمہارا رویہ جماعت سے الگ الگ اور مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ دوسروں کو اگر نعمۃ الہام سے درسِ حیات اور سرمایہٴ تنسکین ملتا ہے تو تمہارے دل سے سن کر بچھنے لگتے ہیں، دوسروں کے لیے رسولِ پاکؐ کا وجود مرکزِ محبت بنا ہوا ہے اور تم اپنے آپ کو دور دور رکھنا پسند کرتے ہو، دوسروں کا جذبہٴ دروں انہیں نماز کے لیے کھینچ کھینچ کے لاتا ہے اور تم ہو کہ بے دلی سے کسمالتے ہوئے آتے ہو جیسے مارے یا ندھے کوئی بیگار آدمی کو پوری کر دیتی ہو، دوسرے اپنا سب کچھ تحریک کے قدموں پر بچھا کر کرنے کے لیے بے تاب رہتے ہیں اور تم ہو کہ خود بھی خرچ نہیں کر سکتے اور ادروں کو بھی روکتے ہو، دوسرے اپنے نصیبِ العین کی خاطر دل کی امنگ سے جہاد کے لیے نکلتے ہیں لیکن تم ہمیشہ جان بچانا چاہتے ہو اور غدر گھر گھر کے راہِ فرار نکالتے ہو۔ دوسروں کے لیے جس واقعہ میں خوشی کا پہلو نکلتا ہے اس سے تمہارے دل ملول ہو جاتے ہیں اور دوسروں کو جن حالات میں تکلیف پہنچی ہے تم ان پر گھی کے چراغ جلاتے ہو۔ جماعت کے ساتھ کسی طرف سے بھی تمہارا جوڑ نہیں لگتا۔ گویا اسلامی تحریک نے ہر متناقض کے سامنے اس کی تصویر کھینچ کے رکھ دی کہ اپنے خدو حال ملاحظہ فرمایا لیجیے۔

جاہل شعراء جو تحریکِ اسلامی کے خلاف فن کا محاذ آراستہ کیے ہوئے تھے اور خود اس کے داعیِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جو یہ کلام لکھ لکھ کر اسے شائع کرنے رہتے تھے، ان کو بھی لیا گیا۔ چند الفاظ میں ان کا ایسا نقشہ کھینچا گیا کہ جو پوری طرح ان پر راست بھی آتا تھا اور جسے دیکھ کر عرب کا عام آدمی فوراً اس نقشہ کی لپٹی کا اندازہ بھی کر سکتا تھا۔ جاہل شعراء کی شان یہ بتائی گئی کہ یہ وہ عنصر ہے جس کے گرد جمع ہونے والے اور جس کی امامت میں چلنے والے صرف گم کردہ راہ لوگ ہیں پھر یہ وہ عنصر ہے جو اپنے بے اصولے پن کی وجہ سے ہر مرادنی میں آوارہ گردی کرتا پھرتا ہے، پھر یہ وہ عنصر ہے جو زبان سے وہ باتیں کہتا ہے جن کے مطابق اس کا اپنا عملی کردار نہیں ہے۔

پھر اسلامی تحریک نے وقت کے خاص خاص گھنڈوں نے کرداروں کو چھانٹ کر کسی نام کے بغیر ان کی تصویریں اعلیٰ درجہ کے آرٹ کے ساتھ مطابقت حقیقت ادبی رنگوں سے تیار کیں اور سماج کے عوامی شعور کے ایوان میں آویزاں کر دیں تاکہ ہر کوئی ان کو دیکھے، ان کو سمجھے اور ان کو واقعاتی دنیا میں خود پہچانے، کہیں اس کردار کو دکھایا جو اپنے باتونی پن کے زور سے لوگوں کو مرعوب کر لیتا ہے لیکن عمل کے میدان میں اپنی خوشنما باتوں کو پامال کر کے انسانی سماج میں قندہ انگیزی کرتا اور تباہی کی آگ لگاتا ہے۔ کہیں اس کردار کو بے نقاب کیا جو اپنے خاندانی اور قائدانہ غرور کے نشے میں بدست رہتا ہے اور اپنی عزت کے حد سے بڑھے ہوئے احساس نے اس کی ناک کو اتنی اہمیت دے دی ہے کہ وہ گویا ہاتھی کے سوڈے کے مائل ہو گئی ہے۔ اور قیامت کے دن ٹھیک اس سوڈے پر داغ دے کر اسے سزا دی جائے گی۔ کہیں اس انسانی کردار کو دکھایا کہ جس کی ہوس دنیا نے اسے کتنے کی سی عادتوں پر لا ڈالا ہے، جسے دھتکارو تو بھی زبان لٹکا دیتا ہے اور چھوڑو تو بھی زبان لٹکا دیتا ہے۔ یہ کردار سماج میں موجود تھے اور چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے، ان ناقدانہ تصاویر کی وجہ سے ان کو پہچانا اور ان کی پستی کا شعور حاصل کرنا عوام کے لیے کچھ مشکل نہ تھا۔

یہ تنقید محض نظری نہ تھی، واقعاتی کشمکش کے ساتھ متعلق تھی اور اس میں یہ ہر حال تحریک اسلامی کے محاذ سے مخالف طاقتوں کو مخاطب کیا جاتا تھا۔ سنانے والے کو بھی معلوم تھا کہ وہ کس کو ستارہ بچا اور سننے والوں کو بھی اندازہ ہوتا تھا کہ کون ان کی خبر لے رہا ہے۔ یہ تنقیدیں آسمان سے لاؤ ویسٹیک لگا کر نہیں سنائی جاتی تھیں بلکہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نشر ہوتی تھیں اور انہیں مسلم عبادت کے ارکان گوشے گوشے تک پہنچاتے تھے، اس لیے ان کے جذبات ان میں شامل اور ان کی رویوں میں حل ہوتی تھیں۔ یہ واقعاتی مدد جزیر پر منطبق کر کے ہی سنائی جاتی تھیں اور سننے والے بھی ان کو زیر تشکیل تاریخ پر منطبق کر کے ہی سمجھتے تھے۔ عوام بھی ان کو اسی حیثیت سے لیتے تھے کہ یہ اس تعمیر سید انقلابی طاقت کی پکار ہے جو ہمارے درمیان ابھری ہے اور قدیم نظام کو چیلنج کر رہی ہے اور اس کی زوآن حریفوں پر پڑ رہی ہے جو انقلابی رویوں میں مزاحم ہو رہے ہیں۔ ان کو موقع ملتا تھا کہ وہ دونوں طرف کی

بات نہیں اور فریقین کو تقابل پر رکھ کر جانچیں۔ اس طریقے سے ان کا شعور نیتا چلا گیا۔
 دلیل شعور کی روشنی دے سکتی ہے مگر جذبات کو نہیں پکارتی، اپیل جذبات کو حرکت دلا کر
 دعوت میں کچھ گرمی پیدا کر دیتی ہے مگر وہ تاریخ میں عملی معرکہ پیدا نہیں کر سکتی۔ یہ تنقید ہی کی طاقت ہے جو
 دلیل اور اپیل کے ساتھ مل کر جب کام کرتی ہے تو تمدن کے سارے سالمات گردش میں آجاتے ہیں۔
 صرف یہی طاقت ہے کہ وقت کے سمندر میں مدوجزر پیدا کر دیتی ہے۔

خلاصہ مدعا یہ کہ اسلامی تحریک نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے دلیل، اپیل اور تنقید
 کے سہ گانہ عناصر سے کام لیا اور تیس برس تک مسلسل کام لیا۔ انہی سہ گانہ طاقتوں نے حریفوں کو بھی
 محسوس کرادیا کہ تم علمی و عقلی لحاظ سے فرومایہ، استدلال کے لحاظ سے کمزور، اپنے مقاصد کی جذبہ باقی
 کشش کے لحاظ سے سپماندہ اور اپنے کردار کے لحاظ سے بہت ادنیٰ سطح پر ہو۔ مخالفین میں مسلم جماعت کی
 برتری کا اعتراف اور اپنی کہتری کا احساس غیر شعوری طور پر بڑھتا ہی چلا گیا اور دوسری طرف رائے عام
 بھی فریقین کو ہر پہلو سے جانچ کر ان کا فرق سمجھتی تھی۔ دعوت کی یہ وہ اصل طاقتیں تھیں جنہوں نے عرب
 کے ااکھوں باشندوں کو مفتوح کر دیا۔ دعوت اگر برحق نہ ہوتی، روجوں کے لیے جاذب نہ ہوتی، اپنے
 علمبرداروں کو متحرک کر کے رزم خیر و شر میں اتار نہ سکتی اور دلیل، اپیل اور تنقید کے ذریعے اپنا لوہا مننوا
 نہ لیتی تو مسلم جماعت نہ سیاسی حکمت کے دائرے میں بازی جیت سکتی تھی اور نہ میدان جنگ میں
 کوئی معرکہ سر کر سکتی تھی۔ ان جزوی میدانوں میں بھی اگر جیت ہوئی تو اس وجہ سے ہوئی کہ رائے عام
 کے وسیع محاذ پر اسلام کی پیش قدمی بڑی ہی فاتحانہ تھی۔